© rasailojaraid.com

ڈاکٹر مبارک علی

مسلمان حکمرانوں کے خطابات

زمانہ قدیم سے حکمرانوں میں یہ رواج تھا کہ وہ تخت نشین ہونے کے بعد شان دار اور پُر وقار خطابات اختیار کرتے تھے تاکہ اُن کی شان و شوکت اور عظمت کا اظہار ہو۔ ان خطابات کے اختیار کرنے میں یہ بات بھی تھی کہ اپنے اصلی نام کو پوشیدہ رکھا جائے کیوں کہ نام انسان کی روح اور جسم کا ایک جزو ہے۔ اس لیے اگر اس کا اظہار کیا جائے گا تو دشمن اس پر سحر اور جادو کر سکتا ہے، اس لیے دشمنوں کے سحر سے بچنے کے لیے اصل نام کو چھپایا جائے اور اس کی جگہ دوسرا نام اختیار کر لیا جائے۔ بادشاہ کی ذات چوں کہ معاشرے میں انتہائی اہم ہوتی تھی اس لیے اس کو جادو ٹونے سے بچانے کے لیے ضروری ٹھہرا کہ اسے اصل نام کے بجائے خطابات سے پکارا جائے۔[۱]

حکمران کی ذات اور شخصیت کو معاشرے میں اہم بنانے کے لیے اس کے اور اس کے خاندان کے گرد تقدس کا ہالہ کھینچا گیا۔ اس تقدس نے اسے الوہی حیثیت کا حامل بنایا اور بادشاہت کا الٰہی تصور ارتقا پذیر ہوا۔ اس تصور کے ارتقا میں اور اس کے استحکام میں بادشاہوں کے خطابات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے، کیوں کہ اس الوہی حیثیت کے اظہار کے لیے حکمرانوں نے ایسے خطاب اور لقب اختیار کیے جو عوام کے ذہنوں میں ان کے تقدس، رعب داب اور عظمت کو جاگزیں کریں۔ خطابات کی اہمیت تصور بادشاہت میں انتہائی اہم رہی ہے، جس طرح دربار کی رسومات کے ذریعے بادشاہ کی شخصیت کو ابھارا جاتا تھا اور اسے معاشرے میں محترم و پُر وقار بنایا جاتا تھا، اسی طرح خطابات کے ذریعے عوام کے ذہنوں میں اس کی برتری کا احساس پیدا کیا جاتا تھا۔ مثلاً چینی حکمران کے لیے Tem-Tze' T (آسمان کا بیٹا)، مصر کے فرعونوں کے لیے Si-Re' (سورج کا بیٹا)، جاپان کے بادشاہوں کے لیے Tenshi (آسمان کا بیٹا) یا Tenno (آسمانی بادشاہ) کے خطابات تھے جو ان کی الوہی حیثیت کو ظاہر کرتے تھے۔ اسی طرح ہندوستانی حکمران راجا، راشٹر اور

---

[۱] جیمس فریزر: شاخ زریں، حصہ اوّل، اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۷۵ء۔ ص ۵۰۹ - ۵۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کشتر کے خطابات اختیار کرتے تھے۔ دیوا اور دیوی وہ خطابات تھے جن سے انھیں مخاطب کیا جاتا تھا۔ کشن بادشاہوں نے خود کے لیے مہاراجا (Raja Thiraja) اور دیوپترا (Devapatra) کے خطابات پسند کیے۔ ایران کے شہنشاہ کے لیے خسرو اور رومی شہنشاہ کے لیے قیصر (Kaiser) کے خطابات تھے۔

ان خطابات سے جہاں حکمران کی مذہبی حیثیت ظاہر ہوتی تھی کہ اس کا تعلق خدا سے ہے، یا تو وہ خود دیوتا کی شکل میں ظہور پذیر ہوا ہے اور یا وہ دیوتاؤں کا اس سرزمین پر نمائندہ ہے، وہاں اس کے ساتھ ہی اس کی سیاسی اہمیت بھی اجاگر ہوتی تھی۔ ان روایات کی روشنی میں اس کی سلطنت کی وسعت اور اس کی سیاسی قوت و طاقت کا بھی اظہار ہوتا تھا۔ پھر یہ اپنے خطابات کو صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتے تھے، ان کے ماتحت حکمرانوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے لیے عظیم فرماں روا جیسے خطابات اختیار کریں۔

مسلمانوں نے جب روم و ایران فتح کیے تو ان فتوحات کے نتیجے میں ان پر جہاں سیاسی اثرات پڑے وہاں تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی ضروریات نے بھی انھیں متاثر کیا۔ خلفائے راشدین اور خلفائے بنو اُمیہ نے عربی روح اور سادگی کو برقرار رکھا۔ لیکن عہدِ عباسیہ میں ایرانی تہذیب و تمدن نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں رواج پایا، خصوصیت سے ایرانی تصورِ بادشاہت نے عباسی دربار میں اپنے لیے جگہ پیدا کی اور ایرانی دربار کی رسومات کی ابتدا ہوئی۔ اس کے ساتھ خطابات میں بھی تبدیلی آئی اور عباسی خلفا نے ایسے خطابات اختیار کرنا شروع کر دیے جن سے ان کی مذہبی و سیاسی عظمت ظاہر ہو۔

مسلمان حکمرانوں نے خطابات اختیار کرنے میں سب سے زیادہ توجہ مذہبی پہلو پر دی۔ اس لیے انھوں نے ایسے خطابات اختیار کیے جن سے ان کا دین و مذہب سے لگاؤ اور تعلق ظاہر ہو اور ان کی ذات سے یہ بات نمایاں ہو کہ یہ لوگ دین کی حمایت کرنے والے، اس کی خاطر لڑنے والے، اس کی اشاعت کرنے والے اور اس کی ترقی و ترویج کرنے والے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان کی مسلمان رعایا انھیں دین کا محافظ سمجھے، ان کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور ان کے ساتھ تعاون کرے۔

مذہبی پہلو کے بعد ان کے خطابات سے ان کی سیاسی قوت و طاقت کا بھی اظہار ہوتا تھا اور فرماں روا ان خطابات کے ذریعے عوام سے اور صوبائی گورنروں سے اپنی برتری اور عظمت کو تسلیم کراتا تھا۔

ان دو پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایسے خطابات بھی اختیار کیے جن سے ان کی شخصیت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوبی اور کارنامے ظاہر ہوں تاکہ ان کے ذریعے رعیت میں اپنے لیے احترام و تعظیم کے جذبات پیدا کر سکیں۔

ابتدا میں جو اسلامی حکومت قائم ہوئی وہ ایک ہی خاندان کے ماتحت تھی جیسے بنوامیہ اور بنو عباس۔ صوبوں کے گورنر یا عامل ان کی جانب سے مقرر ہوتے تھے، اس لیے ان کی حیثیت ان کے ماتحت عہدے داروں کی تھی اور انھیں اجازت نہیں تھی کہ وہ حکمران کے مخصوص خطابات سے خود کو مخاطب کرائیں۔ جب تک عباسی خلافت سیاسی لحاظ سے طاقت ور رہی ان کے خطابات ان ہی کے ساتھ مخصوص رہے، لیکن عباسی خلافت کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ صوبوں کے گورنر طاقت ور ہوئے اور انھوں نے آہستہ آہستہ ایسے خطابات اختیار کرنا شروع کیے جن سے ان کا تعلق تو خلیفہ سے ظاہر ہوتا تھا لیکن ساتھ ہی ان کی سیاسی خود مختاری کا بھی اظہار ہوتا تھا، لیکن جب مشرق و مغرب میں خود مختار اسلامی حکومتوں کا وجود قائم ہوا تو ان کے حکمرانوں نے ایسے خطابات اختیار کیے جو انھیں دین کا محافظ اور حامی و ناصر بھی بتاتے تھے اور ان کی سیاسی قوت کا بھی اظہار کرتے تھے۔

مسلمان حکمرانوں کے خطابات کی تاریخ سے سیاسی تاریخ کے نشیب و فراز کا بھی پتا چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خاندان کی مضبوط خلافت کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوئی اور کس طرح خود مختار سلطنتوں کا ارتقا ہوا۔ ان کی مدد سے مسلمان سلطنتوں کے آئینِ جہاں بانی و جہاں داری کی تبدیلیوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

خلیفہ، امیر المومنین، امام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے خلیفہ رسول اللہ کا خطاب اختیار کیا یعنی انھوں نے خود کو رسول اللہؐ کا جانشین اور نائب کہلوانا پسند کیا۔ اس خطاب سے ابتدائی اسلامی معاشرے کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے رسولؐ کی ذات ہدایت کا سرچشمہ اور ان کا حکمران رسول کا نمائندہ اور نائب بن کر ان کی خدمت کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے "خلیفہ خلیفہ رسول اللہ" کا خطاب اختیار کیا، لیکن اس کی ادائیگی میں بڑی مشکل ہوتی تھی اور پھر اگر ہر نیا خلیفہ، اسی طرح اپنے خطاب میں اضافہ کرتا رہتا تو یہ ایک پیچیدہ خطاب بن جاتا، اس لیے آپ نے صرف "خلیفہ" کے خطاب کو باقی رکھا اور اس کے ساتھ دوسری اضافتوں کو ختم کر دیا۔ لفظِ خلیفہ سے اس وقت جانشین رسول اللہ" کا مطلب نکلتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد میں جب آپ کو "امیر المومنین" کے خطاب سے پکارا گیا تو آپ نے اور دوسرے مسلمانوں نے اُسے پسند کیا۔ امیر المومنین کا خطاب کوئی نیا نہیں تھا، اس سے پہلے سعد بن ابی وقاصؓ کو فوج کے کمانڈر ہونے کی حیثیت سے امیر المومنین کہا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد سے یہ خطاب مسلمان خلفا میں رائج ہوا اور انھیں خلیفہ کے ساتھ ساتھ امیر المومنین بھی کہا جاتا تھا۔

عباسی دورِ حکومت میں جب ایرانی سیاسی تصورات و خیالات اور روایات کا فروغ ہوا تو حکمران کی ذات کو خدا کا نمائندہ بنانے کی کوشش کی گئی کہ بہ حیثیت حکمران کے وہ خدا کا نائب ہے اور اسی کے سامنے جواب دہ ہے، اس لیے عباسی خلفا نے کوشش کی کہ "خلیفۃ اللہ" کا خطاب اختیار کریں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو کسی نے اس خطاب سے پکارا تو آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور خود کو خلیفہ رسول اللہ کہلوانا پسند کیا۔ لیکن عباسی دور میں جب یہ سوال اُٹھا تو کچھ علما و فقہا نے اسے جائز قرار دیا اور کہا کہ اس خطاب سے پکارنا جائز ہے، کیوں کہ بہ حیثیت حکمران کے وہ مخلوق کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے لیکن علما کی اکثریت نے اس کی مخالفت کی۔ ان کا استدلال تھا کہ خلیفہ اس کا ہوتا ہے جو غائب ہو یا جسے موت آجائے، چوں کہ خدا نہ تو غیب ہوتا ہے اور نہ اس کو موت آتی ہے، اس لیے اسے "خلیفۃ اللہ" کہنا جائز نہیں۔[۵۲] لیکن اس کے باوجود عباسی خلفا نے اس خطاب کو باقی رکھا۔ ان دو خطابوں کے علاوہ اسے "امام" کے خطاب سے بھی پکارا جاتا تھا، اگرچہ بعد میں شیعہ تصور میں امام کا مطلب بالکل بدل گیا۔ ابتدا میں مسلمان حکمران کے یہ تین خطاب یعنی خلیفہ، امیر المومنین اور امام، تین تصورات کی نمائندگی کرتے تھے۔ خلیفہ کے خطاب سے اس کا تعلق رسول اللہؐ سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کا جانشین اور نائب ہے۔ امیر المومنین کا خطاب اس کی جنگی اور انتظامی معاملات میں سربراہی کو ظاہر کرتا تھا جب کہ امام مذہبی و دینی معاملات میں اس کی سربراہی کی نشان دہی کرتا تھا۔[۵۳]

لیکن ان تین خطابوں کے ابتدائی تصور میں سیاسی تبدیلی کے ساتھ ساتھ انقلابی تبدیلی آئی، مثلاً ابتدا میں صرف ایک حکمران یہ خطابات اختیار کرتا تھا، اس کے بعد نئی حکومتوں کے قیام کے بعد اور خصوصیت سے اندلس

---

۵۲ ابوالحسن علی، الماوردی: احکام السلطانیہ۔ اردو ترجمہ، کراچی ۱۹۶۵ء۔ ص ۳۱، ۳۲۔

۵۳ آرنلڈ۔ ٹی۔ ڈبلیو، The Caliphate - Oxford, 1924, p: 39, 40.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بنوامیہ اور مصر میں فاطمی خلافت کے قیام کے نتیجے میں ان حکمرانوں نے خود کو ان تینوں خطابوں سے مخاطب کرایا۔ عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد یہ تصور پیدا ہوا کہ ہر مسلمان حکمران اپنی سلطنت میں آزاد و خود مختار ہے اور رعیت کا محافظ و حامی بھی ہے، اس لیے کچھ مسلمان حکمرانوں نے خلیفہ اور امیر المومنین کے خطابات اختیار کیے، لیکن ان میں سے اکثریت نے خلیفہ کا خطاب تو اختیار کیا مگر امیر المومنین کے خطاب کو اختیار کرنے سے احتراز کیا، اس کی توضیح سترھویں صدی کے ایک عالم "المرادی" نے جو دمشق میں حنفی فقہ کے مفتی تھے، اس طرح سے کی ہے کہ اب خلافت کا تصور بدل چکا ہے۔ اب خلیفے تو کئی ہو سکتے ہیں مگر امیر المومنین صرف وہی ہو سکتا ہے جو مذہب کی حفاظت کرے، کافروں پر غلبہ حاصل کرے اور دین اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ کرے۔ اس لیے انھوں نے اورنگ زیب عالم گیر (۱۶۵۹ - ۱۷۰۷) کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب کیا، عثمانی سلطان کو نہیں۔[۵۴]

عباسی خلفا کے خطابات

ان تین خطابوں کے ساتھ ساتھ عباسی خلفا نے دوسرے خطاب بھی اختیار کیے، ان خطابات سے ریاست کے تصور (STATE THEORY) کے ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے ابتدائی زمانے میں یہ خطابات سادہ اور آسان ہوتے تھے اور ان کی شخصیت و کردار کے کسی ایک پہلو کی عکاسی کرتے تھے جیسے سفاح، منصور، مہدی، ہادی اور رشید،[۵۵] لیکن معتصم کے زمانے سے عباسی خلفا نے جو خطاب اختیار کیے وہ "باللہ" اور "علی اللہ" پر ختم ہوتے تھے، جیسے واثق باللہ، مستنصر باللہ، متوکل علی اللہ، معتمد علی اللہ اور قائم بامر اللہ، وغیرہ۔ یہ خطابات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کی قوت و طاقت کا مرکز خدا کی ذات ہے، اس لیے وہ خدا ہی کے سامنے جواب دہ ہے، عوام کو اس سے باز پرس کرنے کی اجازت نہیں۔ جب مصر میں فاطمی خلافت قائم ہوئی تو انھوں نے بھی ایسے ہی خطابات اختیار کیے۔ جب بغداد کی عباسی خلافت ختم ہوئی تو مصر کے عباسی خلفا نے انہی خطابات کو باقی رکھا۔ ابتدا میں یہ دستور تھا کہ ناصر، منصور، معتمد اور مظفر کے خطابات صرف خلفا تک مخصوص رہیں اور کوئی دوسرا حکمران انھیں

---

۵۴ گب، ایچ۔ اے۔ آر۔ ISLAMIC SOCIETY AND THE WEST OXFORD, 1957. P 35

۵۵ ابن خلدون۔ مقدمہ۔ انگریزی ترجمہ، حصہ اول۔ نیویارک ۱۹۶۹ء، ص ۴۶۷ - ۴۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار نہیں کر سکتا، کیوں کہ ان خطابات سے حکمران کی خود مختاری، آزادی اور برتری کا اظہار ہوتا تھا۔

مسلمان حکمرانوں کے خطابات

عباسی خلافت و حکومت کی کمزوری کے زمانے میں جو خطابات ابتداً صوبائی گورنروں نے اختیار کیے، بعد میں یہی خطابات خود مختار حکمرانوں کے لیے مقرر ہوئے، ان خطابات میں سب سے پہلا خطاب امیر کا تھا

امیر

یہ خطاب صوبائی گورنروں اور بعد میں خود مختار حکمرانوں کا بھی ہوا، اس خطاب میں اس بات کی صاف وضاحت ہے کہ امیر کی سیاسی طاقت و قوت، خلیفے کے مقابلے میں محدود ہے اور اپنی سیاسی آزادی کے باوجود ان کا تعلق خلافت سے قائم ہے۔ ابتدائی خود مختار حکمران مثلاً طاہری، صفاری، سامانی اور ابتدائی غزنوی حکمرانوں نے اس خطاب کو اختیار کیا۔ اس خطاب کو مزید عظمت بنانے کے لیے اس میں اضافتوں کا اضافہ ضرور ہوا، جیسے امیر الامرا، جو عباسی دور میں کمانڈر ان چیف کا خطاب تھا۔ الامیر المعظم اور امیر السید وہ خطابات تھے جو حکمرانوں نے اختیار کر کے اپنی برتری کو دوسرے "امیر" حکمرانوں پر ظاہر کیا[۵۶] کچھ حکمرانوں نے "امیر عادل" کا خطاب اختیار کیا، جو ایرانی اثرات کی نشان دہی کرتا ہے، کیوں کہ ریاست میں بادشاہ کی سب سے بڑی صفت عدل ہے[۵۷] امیر کے خطابوں میں سے ایک اہم خطاب "امیر المسلمین" تھا جو مغرب کے حکمران خاندان لمتونہ کے بادشاہ "یوسف بن تاشفین" کو ملا۔ یہ حکمران مذہبی آدمی تھا اور اپنی سیاسی آزادی و خود مختاری کے باوجود نہ تو خلیفہ کا خطاب اختیار کرنا چاہتا تھا اور نہ امیر المومنین کا، اس لیے خلیفہ المستنظہر (۱۰۹۴-۱۰۷۵) نے اسے امیر المسلمین کا خطاب دیا۔ بعد میں یہ خطاب ترنانہ کے حکمرانوں نے بھی اختیار کیا لیکن جب ان کی سیاسی حیثیت مستحکم ہوگئی تو انھوں نے اسے چھوڑ کر امیر المومنین کا خطاب اختیار کر لیا۔[۵۸]

ملک

ملک کا خطاب ابتدا میں اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ یہ قرآن میں بادشاہ کے معنوں میں آیا ہے جو اسلامی

---

۵۶ بوسے ایچ - CHALIF UND GROSSKOING. DIE BUIDEN IM IRAQ (945-1055) WIESBADEN, 1969, P 181.

۵۷ اشپولیر۔ بی INAN IM FRTIH — ISLAMISCHER ZUIT. WEISBADEN. 1952, P 359.

۵۸ ابن خلدون: حصہ اوّل - ۴۷۰ - ۴۷۲ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصور کے خلاف تھا، لیکن بعد میں ملک فارس کے "شاہ" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے اور اُسے سامانی، آل بویہ اور ایوبی سلاطین نے اختیار کیا، بلکہ اس میں بھی اضافتوں کے ذریعے اسے شاندار بنایا گیا، جیسے ملک الملوک اور الملک المظفر وغیرہ، ایوبی سلاطین کے خطابات یہ تھے: الملک الناصر، الملک العزیز، الملک المنصور اور الملک المعظم وغیرہ۔

دولہ

دولہ کا خطاب ابتدا میں عباسی وزیر کو ملتا تھا، چوں کہ وزیر نے خلیفے کی سیاسی کمزوری کے بعد اہمیت حاصل کر لی تھی اور مال و فوج کے شعبوں پر اس کا قبضہ تھا اس لیے "دولہ" کے خطابات سے اس کی طاقت کا اندازہ ہوتا تھا، اس کے بعد یہ خطاب خلیفے کی جانب سے خود حکمرانوں کو ملا، جس میں اوّلیت ہمدانی حکمرانوں کی ہے۔ جب ۹۴۵ء میں آل بویہ حکمران نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلیفے کی پوری طاقت خود اختیار کر لی تو انھوں نے کوشش کی کہ خلیفے کو تمام شاہی علامتوں اور نشانیوں سے محروم کر کے اُسے خود اختیار کر لیں۔ ان علامتوں میں خطاب بھی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے انھیں خلیفے کی جانب سے "دولہ" پر ختم ہونے والے خطابات ملے۔ "دولہ" کے خطابات میں بھی دو قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ خطاب جن سے ان کی حیثیت خلیفے کے ماتحت کی نظر آتی ہے اور وہ ریاست کے خادم اور حامی نظر آتے ہیں، جیسے عضد الدولہ، عماد الدولہ اور رکن الدولہ وغیرہ۔ لیکن دوسری قسم کے خطابوں میں وہ خود مختار نظر آتے ہیں مثلاً "ناصر الدولہ" کا خطاب حاصل کرنے والا شخص وہی ہو سکتا تھا، جس نے خلیفے کے دشمنوں سے جنگ کی ہو، یہی حال "سیف الدولہ" کے خطاب کا تھا[۹] بعد میں مجد الدولہ، شرف الدولہ اور معز الدولہ کے خطابات سے ان کی سیاسی برتری کا اظہار ہوتا تھا۔

محمود غزنوی کو خلیفے کی جانب سے "یمین الدولہ" کا خطاب ملا، جس سے خلیفے کی برتری اور محمود کی ماتحت پوزیشن ظاہر ہوتی ہے۔

فاطمی خلفا نے بھی اپنے ماتحت حکمرانوں کو دولہ کے خطابات دیے، مثلاً صنہاجہ حکمرانوں کے خطابات نصیر الدولہ، سیف الدولہ اور معز الدولہ ہوا کرتے تھے۔ جب انھوں نے فاطمی خلافت سے قطع تعلق کر کے عباسی خلافت سے رابطہ پیدا کیا، تب بھی انھوں نے "دولہ" کے خطاب کو برقرار رکھا[۱۰]

---

[۹] بوسے: ۱۶۱، ۱۶۲ [۱۰] ابن خلدون: حصہ اوّل، ۴۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امّہ و ملّہ

دولہ کے خطاب میں ریاست کا سیکولر تصور ہے، جب کہ امّہ اور ملّہ کے خطابات میں مذہبی تصور ہے، اس لیے خلیفے نے خود مختار حکمرانوں کو دولہ کے ساتھ ساتھ ایسے خطاب بھی دیے جن سے ان کی مذہبی حیثیت اجاگر ہو، اس میں امّہ اور ملّہ کے خطاب اہمیت کے حامل ہیں۔ آلِ بویہ کے حکمرانوں نے "امہ" پر ختم ہونے والے خطابات کو بھی اختیار کیا جیسے فلک الامّہ، غیاث الامّہ، تاج الامّہ اور مغیث الامّہ وغیرہ۔ ملّہ پر ختم ہونے والے خطابات جو آلِ بویہ کے حکمرانوں نے اختیار کیے یہ تھے: تاج الملّہ، شمس الملّہ، اور ضیاء الملّہ۔ محمود غزنوی کو خلیفے نے امین الملّہ کا خطاب دیا تھا۔

الدین

خطابوں کی تاریخ میں دولہ، امّہ اور ملّہ کے بعد اہم خطاب وہ تھا، جو "الدین" پر ختم ہوتا تھا۔ ابتدا میں دوسرے خطابوں کی طرح یہ خطاب بھی خلیفے کی جانب سے دیا جاتا تھا۔ اس خطاب سے حکمران کی دینی و مذہبی حیثیت ظاہر ہوتی تھی کہ اب وہ دین کی حفاظت اور حمایت و اشاعت میں خلیفے کا شریک ہے اور اپنی سلطنت میں دین کا حامی اور مددگار ہے۔ آلِ بویہ کے حکمرانوں نے جو خطاب اختیار کیے وہ یہ تھے: قوام الدین، رکن الدین اور عماد الدین۔ بعد میں یہ خطاب سلجوقی حکمرانوں نے اختیار کیے، تو اُن کی اہمیت بڑھ گئی، کیوں کہ خلیفہ اپنی سیاسی کمزوری کے بعد اب اس قابل نہیں تھا کہ وہ دین کی حفاظت و حمایت کر سکے۔ اس لیے اب وہ کام خود مختار سلاطین کا ہوا۔ اس وجہ سے انھیں حق مل گیا کہ وہ "الدین" پر ختم ہونے والے خطابات اختیار کریں۔ اس کے بعد مسلمان حکمرانوں نے یہ خطاب اختیار کیے، جن میں غوری، سلاطینِ دہلی اور ہندوستان میں مغلیہ حکمران شامل ہیں۔ ان خطابات کے ذریعے سے یہ اپنی مسلمان رعایا کو اس بات کا احساس دلاتے تھے کہ وہ دین کی شان و شوکت اور عظمت کا باعث ہیں۔

ابتدا میں خلیفے کی جانب سے صرف ایک خطاب ملتا تھا۔ لیکن بعد میں دولہ، ملّہ، امّہ اور دین کے خطابات ایک ساتھ بھی ملنے لگے، جو ان حکمرانوں کی سیاسی و مذہبی خود مختاری کا مظہر ہوتے تھے۔

سلطان

سلطان کا خطاب جو مسلمان حکمرانوں کا انتہائی اہم خطاب رہا اور جس نے آگے چل کر خلافت و سلطنت کی تھیوری کو جنم دیا، ابتدا میں اس اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ سلطان کا لفظ قرآن شریف میں طاقت کے معنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یا "دلیل" کے معنوں میں ہے۔ حدیث شریف میں بھی طاقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، اس لیے یہ خطاب ابتدا میں حکمرانوں اور وزیروں نے اختیار کیا۔ عباسی خلیفہ منصور کو خطبے میں "سلطان اللہ" کہا گیا۔ خلیفہ الموفق کو بھی سلطان کہا گیا۔ بعد میں سلطان کے خطاب سے حکومت کی طاقت اختیار کرنے کا اظہار ہونے لگا۔ جعفر برمکی، عہد عباسیہ کے وزیر کو "سلطان" کہا جاتا تھا کیوں کہ وہ خلافت میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ فاطمی خلفا نے بھی "سلطان الاسلام" کا خطاب اختیار کیا۔ فارس کے ایک بویہ حکمران کا خطاب سلطان الدولہ تھا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ خلیفے کی جانب سے باقاعدہ سلطان کا خطاب کس کو ملا، اگرچہ محمود غزنوی خود کو سلطان کہتا تھا، لیکن یہ خطاب اسے خلیفے کی جانب سے نہیں ملا تھا۔ خلیفے کی جانب سے یہ خطاب سب سے پہلے سلجوقی حکمرانوں کو ملا، اسی لیے سلجوقی حکمران سلطان کہلاتے تھے اور شہزادے "ملک"۔ ابتدا میں یہ خطاب خلیفہ دیا کرتا تھا، لیکن بعد میں خلافت کی کمزوری اور اس کے خاتمے کے بعد حکمرانوں نے خود سے اختیار کرنا شروع کر دیا۔

قاہرہ میں جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو مملوک حکمرانوں نے کوشش کی کہ سلطان کا خطاب خلیفہ صرف انھیں دے، دوسرے حکمرانوں کو نہیں، اس طرح وہ خود کو دوسرے حکمرانوں کے مقابلے میں برتر رکھنا چاہتے تھے۔

بعد میں دوسرے خطابوں کی طرح سلطان میں بھی اضافتوں کا استعمال ہوا جیسے السلطان الاعظم، سلطان السلاطین، سید السلاطین، سلطان الاسلام والمسلمین، یا سلطان البرین والبحرین۔

کچھ حکمرانوں نے فارسی کے مترادف "بادشاہ" اور "شاہ" کے خطابات اختیار کیے، مثلاً عراق و کردستان اور شام کے سلجوقی حکمران شاہ کے خطاب رکھتے تھے۔ صفوی خاندان کے حکمران بھی شاہ کہلاتے تھے، اسی کے ساتھ قدیم ایرانی خطاب شہنشاہ کا بھی احیا ہوا۔ سب سے پہلے یہ خطاب بعض حکمرانوں نے اختیار کیا۔ یہ خطاب اتابکان سنجار کے حکمران عماد الدین شہنشاہ (۱۲۱۹-۱۱۹۷) کے ہاں نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں مغل بادشاہ بھی شہنشاہ کا خطاب رکھتے تھے۔

ایک اہم پہلو ان خطابات کا یہ ہے کہ جب تک خلافت عباسیہ بغداد اور قاہرہ میں قائم رہی، مسلمان حکمرانوں کی اکثریت نے یہ کوشش کی کہ یہ خطاب خلیفے سے حاصل کر کے اپنی حکومتوں اور سلطنتوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے قانونی جواز پیدا کریں، اس لیے باوجودیکہ ان کے خطابات سے ان کی مذہبی اور سیاسی خودمختاری ظاہر ہوتی تھی، انھوں نے ایسے خطاب بھی برقرار رکھے جن سے ان کی خلیفے سے وابستگی اور تعلق ظاہر ہوتا تھا۔ مثلاً ولی، مولا، صفی، ناصر اور حمید امیرالمومنین کے خطابات کے ذریعے وہ خود کو خلافت کا ماتحت سمجھتے تھے، بعد میں جب قاہرہ سے بھی عباسی خلافت کا خاتمہ ہوا تو ان خطابات کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

خان

مسلمان حکمرانوں میں "خان" کا خطاب منگولوں کے حملوں اور ان کے سیاسی اقتدار کے بعد سے آیا۔ منگول حکمران، قاآن (کاغان، قاکان) یا خان کہلاتا تھا، بعد میں جب منگول سلطنت وسیع ہوئی تو صوبوں کے حکمران خود کو "ال خان" (نائب خان) کہتے تھے اور خود کو بڑے "خان" کے ماتحت سمجھتے تھے۔ ۱۲۹۵ء تک منگولوں میں یہ قاعدہ رہا، بعد میں قبلائی خان کی وفات کے بعد سے یہ روایت ٹوٹی۔ پہلا ایرانی منگول بادشاہ جس نے قاآن کا خطاب اختیار کیا وہ غازان تھا۔

چوں کہ منگولوں کے حملوں اور سیاسی اقتدار نے عباسی خلافت کے تمام ڈھانچے اور روایات کو گرا دیا تھا اس لیے اب جو حکمران ایران اور وسط ایشیا میں ہوئے انھوں نے اپنا تعلق چنگیز خاں کے خاندان سے قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کی مثال تیمور سے ملتی ہے کہ اس نے اپنا تعلق چنگیز خاں کے خاندان سے ظاہر کرنے کے لیے "گورگان" (خاقان کا داماد) کا خطاب اختیار کیا۔ تیمور اپنی سیاسی طاقت و قوت کے باوجود چنگیز خاں کے خاندان کے بادشاہ کو اپنا سربراہ مانتا تھا اور خود کو صرف "امیر" کہلواتا تھا، تیموری خاندان کے حکمران بھی اس روایت پر چلے، وہ "میرزا" کا خطاب اختیار کرتے تھے۔ بابر اس خاندان کا پہلا حکمران تھا جس نے بادشاہ کا خطاب اختیار کر کے اپنی خودمختاری کو چنگیزی اور تیموری حکمرانوں پر ظاہر کیا۔ بابر ہی نے خودمختاری کے طور پر "الدین" پر ختم ہونے والا خطاب "ظہیرالدین" اختیار کیا جسے بعد میں مغل حکمرانوں نے آخر تک باقی رکھا۔

ان خطابات کے علاوہ حکمرانوں نے انفرادی طور پر ایسے خطابات بھی اختیار کیے جن سے ان کی کوئی شخصی خوبی ظاہر ہو یا جس کے ذریعے سے وہ اپنے کسی کارنامے کا اظہار کر سکیں، ایسے خطابوں میں سے سب سے اہم خطاب "غازی" کا تھا، یہ ان حکمرانوں نے اختیار کیا جنھوں نے غیر مسلموں کے ساتھ جنگیں لڑیں اور ان میں کامیاب و کامران ہوئے۔ جیسے بابر نے ... کے بعد "غازی" کا خطاب اختیار کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمانی سلطان محمد نے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد فاتح کا خطاب اختیار کیا۔ اسی طرح تیمور نے اپنی وسعتِ سلطنت کا اظہار "صاحب قران" کے خطاب سے کیا۔ کچھ حکمرانوں نے اپنے عدل کی صفت کو "امیر عادل" یا "سلطان العادل" کے خطاب سے روشناس کرایا، ان کے علاوہ جہاں گیر، شاہ جہاں اور عالم گیر وہ خطابات تھے، جن کا مقصد اپنی عظمت و برتری کو تسلیم کروانا تھا۔

یہ روایت بھی تھی کہ جب بھی درباری بادشاہ سے مخاطب ہوتے تھے تو اس کو عزت و تکریم کے مختلف خطابوں سے پکارتے تھے، مثلاً ظلِ الٰہی، عالم پناہ، صاحبِ عالم، حضورِ معظم، والی جاہ، عالی جاہ اور جناب عالی وغیرہ۔

خطاب اور مرتبہ

خطابات کی اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر خطاب اپنی سیاسی اہمیت رکھتا تھا، جو خطاب اعلیٰ حکمرانوں کے لیے مخصوص تھا وہ ماتحت حکمران اختیار نہیں کر سکتا تھا اور اس کا تعین سیاسی طاقت و قوت سے ہوتا تھا۔ ابتدا میں دولہ، اللہ، ملّہ اور خان کے خطابات صرف حکمرانوں کے لیے مخصوص تھے، لیکن جب حکمران سیاسی طور پر طاقت ور ہوئے تو انھوں نے اپنے لیے سلطان، شاہ یا بادشاہ کے خطاب پسند کیے، اور یہ خطابات اپنے امرا کو دینا شروع کر دیے۔ چنانچہ ہندوستان میں عہدِ سلاطین میں امرا کے خطابات، ملک اور امیر ہوا کرتے تھے، جب کہ مغلیہ سلطنت میں امرا کو خان، دولہ، بہادر اور جنگ پر ختم ہونے والے خطابات دیے جاتے تھے۔ سلاطینِ دہلی اور عہدِ مغلیہ میں "الدین" پر ختم ہونے والے خطابات صرف حکمرانوں کے لیے مخصوص تھے، لیکن مغلوں کے آخری عہد میں بادشاہ کی کمزوری کے ساتھ یہ خطاب بھی امرا کو دیے گئے۔

وفات کے بعد کے خطابات

یہ بھی ایک قدیم روایت تھی کہ حکمران کی وفات کے بعد بھی اسے کسی خطاب سے یاد کیا جاتا تھا تاکہ عوام میں اس کی تحریم و تکریم باقی رہے۔ مسلمانوں میں یہ روایت سامانی خاندان سے چلی کہ حکمران کی وفات کے بعد اسے کوئی خطاب دیا جاتا تھا جو سرکاری دفتروں اور تاریخوں میں استعمال ہوتا تھا۔ ان خطابات سے یا تو شخصی خوبی اور وصف کو ظاہر کیا جاتا تھا جیسا کہ سامانی حکمرانوں کے خطابات میں ہے۔ مثلاً احمد بن اسماعیل "امیر شہید"، نصر بن احمد "امیر سعید"، نوح بن نصر "امیر حمید" اور عبدالملک "امیر سدید"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان میں مغل حکمرانوں کے خطابات میں مزید جدت نظر آتی ہے مثلاً بابر "فردوس مکانی" ہمایوں "جنت آشیانی" اکبر "عرش آشیانی" جہاں گیر "جنت مکانی" شاہ جہان "فردوس آشیانی" اور عالم گیر "خلد مکانی" کے خطاب سے یاد کیے جاتے تھے۔

خاتمہ

خطابات کی اس تاریخ سے جہاں سیاست کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ سیاسی قوت و طاقت کے زمانے میں حکمرانوں نے سادے اور پُر وقار خطابات اختیار کیے، لیکن جیسے جیسے کمزوری آئی، ان کے خطابات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک کے بجائے دو دو، تین تین خطابات اختیار کر کے اپنی کھوکھلی شان و شوکت کا اظہار کیا، مثلاً اودھ کے حکمراں جو کوئی سیاسی طاقت و قوت نہیں رکھتے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھے، انھوں نے یہ شان دار لمبے چوڑے خطابات اختیار کیے: ابو نصر، قطب الدین، سلیمان جاہ، سلطان عادل، نوشیر زماں، حضرت شاہ زماں، نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی، یا ابو الفتح، معین الدین، سلطان الزمان، نوشیرواں عادل، محمد علی شاہ، بادشاہ غازی، جب کہ یہ حکمراں ان تمام اوصاف سے خالی تھے۔ اس لیے دورِ آخر میں مسلمان حکمرانوں کے یہ خطاب محض دکھاوے کے تھے، نہ تو یہ سیاسی طاقت کے حامل تھے نہ ان میں کوئی دینی حمیت تھی اور نہ یہ اخلاقی اوصاف رکھتے تھے۔ اپنی ان کمزوریوں کی خانہ پُری یہ محض ان القاب و خطابات کے ذریعے کرتے تھے۔

ملفوظاتِ رومیؒ

از عبد الرشید تبسّم

(مولانا جلال الدین رومی کی "فیہ ما فیہ" کا اردو ترجمہ)

"فیہ ما فیہ" کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں بلکہ مولانا روم کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے صاحبزادے سلطان بہاء الدین نے آپ کی مختلف مجالس میں محفوظ کیے۔ "مثنوی" اور "دیوان شمس تبریز" کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

صفحات ۳۶۴ قیمت: -/۱۸ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

© rasailojaraid.com